جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

بدیع الزماں
سعید نورسیؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ

عظیم شخصیات

آسمان سے نہیں اترتیں

بلکہ

زمین پر پیدا ہوتی ہیں،

زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛

اور یہ کہ

ہر بچہ

اگر 'چاہے'

تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

بدلنے کو ہزاروں کروٹیں بدلیں زمانے نے
مگر میری جبیں بدلی نہ اس کا آستاں بدلا

”رسائل نور کی تصنیف اور ان کی نقول تیار کرنے کا کام اتنا آسان نہیں تھا جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ استاد سعید نورسی اور ان کے طلبہ پر حکومت کی سخت نگرانی تھی اور یہ سارا کام چھپ کر انجام دیا جاتا تھا۔۔۔ان کے عقیدت مندوں اور طلبہ نے۔۔۔ان رسائل کو نقل کرنے میں زبردست قربانیاں دی ہیں۔ یہ رسائل ترکی زبان میں لکھے جاتے تھے لیکن ان کا رسم الخط عربی ہوتا تھا جس پر 1928 سے پابندی لگادی گئی تھی اور چھاپے خانوں میں کوئی کتاب عربی رسم الخط میں طبع نہیں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ رسائل نور ہاتھ سے لکھے جاتے تھے بے شمار طلبہ نے خود کو اس کام کے وقف کر دیا تھا اور ان کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ فضا ایسی تھی کہ دیندار ہونا پھانسی کے تختے کو دعوت دینا تھا۔ رسائل نور کے لکھنے والوں کو پولس تھانوں پر بلایا جاتا تھا اور ان کو ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں لیکن اس دہشت گردی کے باوجود نقل کرنے والے طلبہ کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ ان طلبہ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جنہوں نے سات سات آٹھ آٹھ سال گھر سے باہر قدم نہیں نکالا اور دن رات رسائل نور نقل کرنے میں مصروف رہے۔۔۔ یہ سلسلہ تقریباً بیس سال جاری رہا۔ اس کے بعد سائیکلو اسٹائل مشینوں سے کام لیا جانے لگا، چھاپے خانوں میں طبع ہونے کا مرحلہ اس کے بھی بعد آیا۔

طلبہ کیسے جذبے سے یہ کام کرتے تھے اس کا اندازہ ایک طالب علم کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے جو اس نے افیون قرہ حصار کی عدالت فوجداری میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے دیا تھا۔ اس نے کہا کہ: میں اس کتاب (رسائل نور) اور اس کے عظیم مؤلف استاد بدیع الزماں کی خاطر، جنہوں نے مجھے ابدی زندگی سے متعارف کیا، فانی قید خانوں کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتا، میں قید خانے میں خوشی اور فخر سے جا رہا ہوں۔ اگر دین کے دشمن ہمیں کاغذ اور روشنائی سے محروم کریں گے تو ہم، اگر ممکن ہوا تو، اپنے خون کو روشنائی اور کھال کو کاغذ بنالیں گے اور رسائل نور لکھیں گے۔“

(ثروت صولت)

سعید نورسی

مثالی بچپن، قابلِ رشک جوانی: سعید نورسی ترکی کے صوبۂ تبلیس کے ایک چھوٹے سے گاؤں نورس میں 1873 کو پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے پختگی، ذہانت اور سنجیدگی کے زیور سے آراستہ تھے۔ عزتِ نفس کا ان کو بڑا خیال تھا اور کسی کی جانب سے تکبر و تحقیر کو وہ برداشت نہ کر پاتے تھے۔ اسی وجہ سے گرد و نواح کے مدارس میں ان کی ساتھی طلبہ سے نبھ سکی نہ ہی اساتذہ سے... وہ بہت جلد گھر لوٹ آئے۔ کچھ مدت ہی گزری تھی کہ خواب میں آپ ﷺ کا دیدار کرنے کے بعد تعلیم کے حصول کا جذبہ امڈ آیا، اس کے بعد انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ ارواس، شہروان اور سعرد وغیرہ قصبوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اسی زمانے میں ان کی ذہانت کے جوہر کھلے، چند مہینوں ہی میں وہ ان تمام کتابوں پر عبور حاصل کر لیتے جن میں سے ایک ایک کو پڑھنے میں عام طلبہ کئی کئی سال لگا دیتے تھے۔ ان کی قوت حافظہ کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن کے دو دو پارے وہ ایک ہی دن میں حفظ کر لیتے تھے۔ اس ذہانت و فطانت کے چرچے دور دور ہونے لگے۔ چودہ پندرہ سالہ نوخیز نورسی کا وقت کے مایہ ناز علماء نے بار بار امتحان لیا اور ہر بار اس نوجوان طالب علم کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا لوہا ماننے پر مجبور ہوئے۔ ایک دن سعرد کے تمام مشاہیر علماء جمع ہوئے اور ہر ایک نے سعید نورسی سے ایک سوال کیا جس کے نورسی نے صحیح صحیح جوابات دے دیے۔ علماء یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے اور انھیں 'بدیع الزماں' (زمانے سے آگے، نادر روزگار) کا خطاب دے ڈالا۔ بدیع الزماں صرف علمی اور فکری طور پر ہی نہیں بلکہ جسمانی طور پر بھی مضبوط اور جفاکش تھے، ان کا مزاج سپاہیانہ تھا، نشانہ بازی اور گھڑ سواری ان کے محبوب مشاغل تھے۔ تبلیس کے بعد وان پندرہ سال تک ان کی قیام گاہ بنا جہاں دینی اور روایتی علوم کے علاوہ انھوں نے جدید علوم مثلاً تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، طبیعات، کیمیات، طبقات الارض، ہیئت اور فلسفہ میں بھی کمال پیدا کیا اور ان تمام ہی علوم کے سرخیل علماء کی ہمسری کرنے لگے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: ابھی بدیع الزماں کی نکلتی ہوئی جوانی کے دن تھے کہ انھیں میران کے رئیس مصطفی پاشا کی بداعتدالیوں اور بداعتقادیوں کی اطلاع ملی۔ بے خوف و خطر بدیع الزماں اس کے دربار میں پہنچ گئے۔ رئیس کے آنے پر سب نے تعظیم کی مگر بدیع الزماں نہ صرف بیٹھے رہے بلکہ رئیس کو خوب کھری کھوٹی سنائی اور صاف صاف ظلم کو ترک کردینے اور نماز پڑھنے کی تلقین کی۔ رئیس نے ان کے سامنے اپنے علاقے کے جید علماء سے مناظرہ کرنے کی شرط رکھی۔ مناظرہ ہوا اور بدیع الزماں کے آگے کوئی نہ ٹک سکا۔ شرط ہار کر رئیس کو بدیع الزماں کی بات ماننی پڑی اور وہ پابندی سے نماز پڑھنے لگا۔ اسی طرح تبلیس کے حکام میں سے ایک کے بارے میں جب انھیں شراب نوشی کی اطلاع ہوئی تو وہ سیدھا محفلِ میکشی میں دندناتے ہوئے اس شان سے داخل ہوئے کہ مدافعت کے لیے ایک عدد پستول بھی ساتھ تھا۔ وہاں انھوں نے شراب کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی، بگڑے ہوئے رئیسوں کو نصیحتیں کیں؛ ان کا ایسا رعب چھایا کہ کسی رئیس نے بھی ان کے سامنے پر مارنے کی جرأت نہیں کی۔

سیاست کا دلدل: بدیع الزماں ایک ایسے مدرسے کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے جہاں روایتی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی ترسیل کا بھی نظم ہو۔ وہ علوم کی دینی و دنیوی تقسیم کے سخت مخالف تھے۔ اپنے خوابوں کے اس **مدرسۃ الزھرا** کی تعمیر کے انتظامات کے لیے وہ دارالخلافہ استنبول گئے۔ وہاں کے علماء نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور آپ کی لیاقت وعبقریت کے قائل ہوگئے۔ جامعہ ازہر کے شیخ الجامعہ ان دنوں استنبول آئے ہوئے تھے انھوں نے خلافت عثمانیہ اور یورپ کے متعلق بدیع الزماں سے ان کی رائے پوچھی، بدیع الزماں نے جامع وبلیغ جواب دیا، ''یورپ کو آج اسلام کا حمل ٹھیر چکا ہے کسی روز وہ اسے جنے گا اور خلافت عثمانیہ کو تہذیبِ یورپ کا حمل ٹھیر چکا ہے کسی روز وہ اسے جنے گی۔'' مملکت کے سیاسی حالات دن بدن بگڑتے جارہے تھے۔ خلافت عثمانیہ زوال پذیر تھی لیکن اسلامی خلافت و جمہوریت کے بدلے فری میسن اور کمیونسٹ وہاں لادینی نظام قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ ایسے میں ملک کی دگرگوں سیاسی صورتحال کو سنبھالا دینے کے لیے بدیع الزماں نے ہم خیال حضرات کے ساتھ 1909 میں **اتحاد محمدی** کے نام سے ایک پارٹی تشکیل دی۔ جگہ جگہ اپنے خطابات میں بدیع الزماں نے لوگوں کو حریت کے اصل اور اسلامی مفہوم سے روشناس کرایا اور ایک

آمریت کو دوسری قبیح تر آمریت سے بدل لینے کی مذمت کی۔ انھوں نے صحیح اسلامی خطوط پر خلافت کے قیام کی فضا ہموار کی۔ اسی اثناء میں فوج کے ایک حصے نے بغاوت کر دی اور شریعتِ اسلامی کے مکمل نفاذ کا مطالبہ کیا۔ اس بغاوت کو بزور کچل دیا گیا اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے اس بغاوت کی سازش رچنے کے الزام میں اسلام پسندوں کو چن چن کر تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ بدیع الزماں نورسی کا اس بغاوت کو روکنے میں خاصا بڑا ہاتھ تھا، وہ اس قسم کی حرکتوں کو فضول، بیوقوفی اور اسلام کی غلط ترجمانی سمجھتے تھے لیکن بغاوت کے الزام میں ان پر بھی مقدمہ چلا؛ عدالت کے سامنے دیا گیا ان کا بیباک بیان تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے، انھوں نے کہا: ''**اگر میری ہزار جانیں بھی ہوتیں تو میں انہیں اسلام کے لامتناھی حقائق میں سے کسی ایک حقیقت پر بھی قربان کر دینے میں پس و پیش نہ کرتا۔ میں اس وقت اس برزخ کے سامنے، جسے تم جیل کہتے ہو، کھڑا ہوں اور اس گاڑی کے انتظار میں ہوں جو مجھے آخرت کی جانب لے جائے۔**'' ان کا یہ لمبا چوڑا بیان کافی مقبول ہوا اور بالآخر کوئی الزام ثابت نہ ہونے پر عدالت نے انھیں باعزت بری کر دیا۔ بری ہونے کے بعد استاد نورسی وان چلے گئے جہاں از کار رفتہ دیہاتوں میں دورے اور درس و تدریس میں مشغول رہے پھر شام چلے گئے جہاں دمشق کی جامعہ اموی میں مجمعِ کثیر کے سامنے انھوں نے جو خطبہ دیا وہ خطبۂ شامیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

جنگِ عظیم کا جب آغاز ہوا تو انھوں نے روسی حملوں کے معاً بعد اپنی خدمات بطور رضا کار پیش کر دیں۔ انھیں کمانڈر بنایا گیا۔ وان اور تبلیس کے مورچوں پر بدیع الزماں اور ان کے رضا کاروں نے دادِ شجاعت دی اور اس مٹھی بھر ٹکڑی نے کئی دنوں تک روسی افواج کا ناطقہ بند کر دیا، روسی فوجیں شہر میں اسی وقت داخل ہونے پائیں جب شہر کی آبادی مع مال و اسباب کسی محفوظ مقام پر جا چکی تھی۔ ان صبر آزما حالات میں بھی انھوں نے اسلامی جنگی اقدار کو فراموش نہ ہونے دیا، جنگ میں آرمینیا کے فوجی ترک خواتین و بچوں کا قتلِ عام کرتے تھے، جواب میں موقع پا کر جب کچھ ترکوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو آرمینیائی بچوں اور عورتوں کے سپر بن کر بدیع الزماں سامنے آئے اور انھیں بچا لیا۔ تبلیس کے معرکے میں وہ زخمی ہوئے اور روسی افواج نے انھیں گرفتار کر لیا۔ جنگ کے دوران بھی وہ وعظ و تذکیر، درس و تدریس سے غافل نہ تھے، اب روسی نظر بندی کیمپ میں وہ نوّے قیدیوں کو باقاعدگی سے درس دینے

لگے۔ یہاں روسی کمانڈر کے ساتھ گستاخی کرنے پر انھیں موت کی سزا سنائی گئی مگر بعد میں بدیع الزماں کی دلیری واستقامت دیکھ کر روسی کمانڈر نے خود ہی معافی مانگ لی۔ بدیع الزماں ڈھائی سال تک روسی قید میں رہے اس کے بعد اکتوبر 1917 کو موقع پا کر فرار ہو گئے اور استنبول جا پہنچے۔ یہاں کے شیخ الاسلام مصطفی صابری نے انھیں فوراً دار الحکمت اسلامیہ کا ممبر بنالیا۔

اناطولیہ میں جب تحریک آزادی شروع ہوئی تو بدیع الزماں نے اس میں جم کر حصہ لیا جس پر ان کی کافی مخالفت بھی ہوئی۔ انقرہ کی حکومت نے بدیع الزماں کی اس جرأت کو سراہا اور بار ہا انھیں انقرہ آنے کی دعوت دی، آخر 1920 میں وہ انقرہ گئے۔ ان کی یونیورسٹی کی تجویز منظور کر لی گئی۔ یہاں انھوں نے ارکانِ اسمبلی کی اسلامی شعائر کے تئیں لاپرواہی کا سخت نوٹس لیا اور ''اے ارکانِ مجلس یاد رکھو کہ ایک دن تمھیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے'' کے عنوان سے ایک بیان لکھا جسے پارلیمنٹ میں پڑھ کر سنایا گیا۔ یہ بیان اس قدر اثر انگیز ثابت ہوا کہ نماز پڑھنے والوں میں ساٹھ ارکان کا اضافہ ہو گیا، نماز کا کمرہ چھوٹا پڑ گیا اور نماز کے لیے ایک بڑا ہال مختص کرنا پڑا۔ انقرہ میں مصطفی کمال نے بدیع الزماں کو خریدنے کی بہت کوششیں کیں؛ بڑے بڑے دینی عہدے پیش کیے لیکن بدیع الزماں کو اس کی نیتوں کے فتور کا اندازہ ہو گیا انھوں نے یہ بھی بھانپ لیا یہ حکومت نظامِ اسلامی کے لیے سنجیدہ نہیں ہے تو انھوں نے انقرہ کو خیر آباد کہہ دیا اور وان میں 'گوشہ نشین' ہو گئے۔ یہ 1921 کی بات ہے۔

سعید جدید: سعید نورسی نے اب اپنی پچھلی زندگی ترک کر دی اور ایک نئی زندگی جسے وہ 'سعید جدید' کہتے تھے کا آغاز اس جملے سے کیا: اعوذ باللہ من الشیطان و السیاسیة۔ دراصل آنے والے سخت حالات کا اندازہ لگا کر انھوں نے برحق رائے قائم کی تھی کہ ایسے معاندانہ ماحول میں سیاست یا کوئی باقاعدہ تنظیم بنانا عبث ہوگا کیونکہ ہر دو کو بزور طاقت ختم کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوچ کر انھوں نے سیاست کو خیر آباد کہہ دیا اور ترکی کے تن مردہ میں دوبارہ اسلام کی روح پھونکنے میں مشغول ہو گئے۔ سعید نورسی کے اندیشے بہت جلد صحیح ثابت ہوئے۔ 1924 میں خلافت ختم کر دی گئی، اسلامی جمہوریت کا نعرہ لگانے والوں کو 'مصطفی کمال کے قتل' یا 'انقلاب کے خلاف بغاوت' کے الزام میں یکے بعد دیگرے قتل یا جلاوطن کر دیا گیا۔ خانقاہیں بند ہو گئیں، مدارس میں تالے لگ گئے، ہجری تقویم کی جگہ شمسی کیلینڈر اور عربی رسم الخط کے بدلے لاطینی رسم الخط کا رواج ہوا، عربی میں اذان اور نماز غیر

قانونی قرار پائیں، مساجد کو میوزیم بنا دیا گیا، پردہ اور تعدد ازواج پر پابندی لگ گئی وغیرہ وغیرہ۔ بدیع الزماں گوشہ نشین تھے لیکن مصطفی کمال کی آنکھوں میں کھٹک رہے تھے بالآخر 1925 میں انھیں مغربی اناطولیہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔

صعوبتیں: مغربی اناطولیہ کے بوردر میں انھیں نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن یہاں بھی بدیع الزماں نے درس وتدریس کے سلسلے کو رکنے نہ دیا۔ رسائلِ نور کے نام سے جن رسالوں کو لکھ کر انھوں نے ترک ذہنوں میں انقلاب برپا کر دیا ان کا آغاز یہیں سے ہوا۔ یہاں بھی آپ کی دینی سرگرمیاں حکام کے لیے باعث تشویش رہیں اور انھیں برلا جلاوطن کر دیا گیا۔ رسائل نور عربی رسم الخط میں لکھے جاتے تھے لہذا غیر قانونی تھے جن کی چھپائی نہیں ہو سکتی تھی۔ انھیں پھیلانے کا یہ طریقہ ایجاد کیا گیا تھا کہ نورسی انھیں لکھ کر اپنے طالب علموں کو دیتے جو اسے نقل در نقل کر کے مفت تقسیم کرتے، اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ برلا کی حسین وادیوں میں نورسی نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ بدیع الزماں کی روحانی شخصیت نے پہریداروں تک کو ان کا گرویدہ بنا ڈالا لہذا ان تمام 'غیر قانونی' کاموں کو کرنے میں سہولت ہوگئی۔ لیکن یہ سرگرمیاں چھپی نہ رہ سکیں، حکام رسائل نور لکھنے والے طلبہ کو تھانوں پر بلا کر سخت ایذائیں دیتے لیکن ایمان کا نشہ یہ معمولی ترشیاں بھلا کب اتار پائی ہیں؟ رسائل نور ملک کے طول وعرض میں پھیلتے رہے۔

1935 میں استاد کی ان دینی سرگرمیوں سے تنگ آ کر حکومت نے 120 طلبہ کے ساتھ انھیں الیسکی پہنچا دیا جہاں ان پر مقدمہ چلا۔ ایک بھی الزام ثابت نہ ہوا اور بدیع الزماں باعزت رہا کیے گئے۔ مگر پھر پردے کی ایک آیت کی تفسیر کے 'جرم' میں انھیں گیارہ ماہ کی قید ہوئی۔ یہاں بھی ان کا بیباک عدالتی بیان کافی مشہور ہوا۔ استاد نے الیسکی کے قید خانے میں گیارہ ماہ قید تنہائی میں گزارے لیکن ان تمام آلام کے باوجود رسائل نور کی تصنیف وتقسیم کا کام کسی نہ کسی طرح جاری رہا۔ 1936 میں الیسکی کے قید خانے سے رہائی کے بعد بھی استاد کو آزادی نہ ملی اور انھیں قسطمونو میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اللہ کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ یہاں جو طلبہ شمعِ نورسی کے پروانے بنے وہ ان کے سبھی عشاق پر بازی لے گئے؛ اپنی جانوں پر کھیل کر انھوں نے رسائل نور کو بحیرۂ اسود کے بھی پار پہنچا دیا، کہا جاتا ہے کہ رسائل نور کے کل چھ لاکھ قلمی نسخے تقسیم کیے گئے۔ حکام کے لیے بدیع الزماں کی زور پکڑتی یہ اسلامی تحریک ایک بار پھر

دردسر بنی اور 1943 میں استاد اوران کے 126 طلبہ کو گرفتار کر کے دینیز لی میں قید کر دیا گیا۔ دینیز لی کی سخت ترین قید کے زمانے میں بھی رسائل نور لکھے جاتے رہے کاغذ کی عدم دستیابی پر ایسا بھی ہوا کہ تحریریں ماچس کے ڈبوں پر لکھ کر آگے پہنچائیں گئیں۔ دینیز لی کے قید خانے میں استاد بدیع الزماں کی صحبت پا کر قیدیوں کے اخلاق میں مثبت تبدیلیاں ہوئیں جن کا حکام تک نے اعتراف کیا۔ یہی وہ منحوس جیل تھی جہاں پہلی بار استاد کو زہر دیا گیا۔ دینیز لی میں استاد پر مقدمہ چلا؛ عدالت نے نہ صرف یہ کہ استاد اور بیشتر طلبہ کو رہا کر دیا بلکہ رسائل نور پر سے پابندی ہٹالی۔

دینیز لی کی عدالت کے معرکۃ الآرا فیصلے کے باوجود استاد کو رہا نہ کیا گیا بلکہ انھیں صوبۂ افیونؔ کے قصبے امیر داغ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ یہاں بھی وہ مکمل طور پر نظر بند رہے، کسی کو ان سے ملاقات کی اجازت نہ تھی۔ یہاں حکومت اور اسلام دشمن عناصر کی جانب سے بارہا ان پر قاتلانہ حملے ہوئے، دوسری مرتبہ انھیں زہر دے کر مارنے کی سازش کی گئی۔ تین سال کے اندر اندر کمیونسٹ اور فری میسن پھر حرکت میں آئے اور حکومت نے بدیع الزماں پر افیون کی عدالت میں ایک مقدمہ ٹھونک دیا۔ الزامات تو کچھ بھی ثابت نہ ہوئے لیکن سعید نورسی کو بیس ماہ قید کا مژدہ سنا دیا گیا۔ رسائل نور پر ایک بار پھر پابندی لگ گئی۔ بیس ماہ کی اس قید تنہائی کے دوران استاد سخت علیل رہے لیکن بجائے اس کے کہ ان کے کسی طالب علم کو ان کی تیمارداری کی اجازت دی جاتی انھیں زہر دے کر مار ڈالنے کی ایک اور کوشش ہوئی۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟ اس مدت میں بھی رسائل نور ضبط تحریر میں لائے جاتے رہے۔ 20 ستمبر 1949 کو وہ رہا ہو گئے۔ رہا ہونے کے بعد بھی درحقیقت وہ نظر بند ہی رہے، حکومت اس 'خطرناک' بوڑھے سے اس قدر خوفزدہ تھی کہ دو پہریدار ہمہ وقت ان کے دروازے پر پہرہ دیتے تھے۔ بدیع الزماں نے حکومت کے نام ایک جارحانہ مگر مدلل خط لکھ کر اپنی آزادی پر لگائی گئی ان قدغنوں کے خلاف پرزور احتجاج کیا کہ، ''میں روٹی اور پانی کے بغیر تو جی سکتا ہوں مگر آزادی کے بغیر نہیں جی سکتا!''

سرخرو: بدیع الزماں نورسی کا یہ صبر وثبات رائیگاں نہیں گیا۔ اس ظالمانہ قید وبند اور اذیتوں کے چودہ پندرہ سالہ دور میں انھوں نے ترک فکر میں ایک صالح انقلاب برپا کر دیا۔ پہلے ان کا حلقۂ اثر مدارس کے طلبہ تک محدود تھا، دھیرے دھیرے یونیورسٹی گریجویٹ، پولس اور فوج کے افسران، عدلیہ کے جج اور وکلاء بھی ان کی تعلیمات سے واقف اور متاثر ہوئے۔ 1950 تک طلبۂ نور کی تعداد چھ لاکھ

سے متجاوز تھی۔ ہمدردی و اتفاق کا تعلق رکھنے والے تو بے حد و حساب تھے۔ یہ صالح طبقہ اب انتخابات کو متاثر کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ 1951 کے جنرل الیکشن میں مصطفی کمال کی جمہور خلق پارٹی بری طرح ہاری اور ڈیمو کریٹک پارٹی جسے طلبۂ نور کی حمایت حاصل تھی برسر اقتدار آئی۔ نئے منتخب صدر عدنان مندریس نے عوام کو مکمل مذہبی آزادی عطا کی، طلبۂ نور پر سے جھوٹے مقدمات واپس لے لیے گئے۔ سالوں بعد ترکی کے آسمان پر عربی میں اذان گونجی۔ بدیع الزماں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے، گو ابھی ایک صالح اسلامی نظام کے قیام میں بہت سی رکاوٹیں حائل تھیں مگر حکومت کو اسلام کی طاقت کے سامنے جھکنا پڑا تھا، سیکولر اور مغرب پرست عناصر کا ترکی سے اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا ارمان دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

آخری وقت: 1952 کے اوائل میں اسلام دشمن سازشوں کی ریشہ دوانیوں سے بدیع الزماں پر پھر مقدمہ چلا لیکن اس بار بھی دشمنان اسلام کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور شیخ باعزّت رہا ہوئے۔ 1956 میں محکمۂ امور مذہبی نے فیصلہ دیا کہ بدیع الزماں کے تمام رسائل قرآن و سنت کے مطابق ہیں، اس محکمہ کی رپورٹ کے بعد افیون کی عدالت نے بھی رسائل نور پر سے تمام پابندیاں ہٹالیں۔ استاد نے اپنی عمر کے آخری ایام اسپارتا اور امیر داغ میں گزارے۔ آخری چار ماہ وہ انقرہ، استنبول اور دوسرے شہروں کے دورے کرتے رہے۔ بالکل آخری دنوں میں بہت ہی کم ملاقاتیں اور باتیں کرتے۔ وفات سے فوراً قبل باصرار ارفا تشریف لے گئے اور یہیں 23 مارچ 1960 کو انتقال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رسائل نور کے ذریعے اللہ کے نور کو پھیلا کر ہزاروں قلوب کو منور کرنے والے مجاہد نورسی کی قبر کو نور سے بھر دے۔

آمین!